ترجمہ وتلخیص

قصہ "غرانیق علا" پر ایک نظر

محدث کبیر علامہ ناصر الدین البانی
تلخیص :۔ محمد ثناء اللہ ندوی

سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" کے بارے میں اب علمی حلقوں میں کسی شکل میں بھی یہ خیال پایا نہیں جاتا کہ اس کی حیثیت صرف ایک ناول کی ہے جس کے کرداروں میں کسی سوچے سمجھے منصوبہ کو دخل نہیں ہے۔ مشرق اور مغرب کے نام نہاد علمی حلقے اسے ایک مسلمہ تاریخ، دین، تمدن، فلسفہ اور نظریاتی حقیقت کا آئینہ دار سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کتاب پر جس وجہ سے مختلف ممالک میں پابندی عائد کی گئی ہے اور اس کے خلاف احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اس میں عقیدہ رسالت کو بنیادی طور پر ہدف بنایا گیا ہے۔ وحی و رسالت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور اہل بیت کی ایسی تصویر پیش کی گئی ہے جو اسلامی تاریخ اور سیرت کی پیش کردہ تصویر سے قطعاً مختلف ہے۔ کتاب میں ازواج مطہرات کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی عفت، پاکدامنی اور خدا ترسی کی شہادت خود قرآن نے دی ہے ظاہر ہے کہ قرآن کی شہادت کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

عقیدۂ رسالت کے سلسلہ میں کتاب میں بنیادی طور پر یہ فکر کارفرما ہے کہ جبریلؑ جو وحی لے کر نازل ہوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسے پڑھ کر صحابہ کو سناتے تھے اس میں کچھ ایسی خارجی آمیزش بھی ہو جاتی تھی جس کا تعلق وحی الٰہی سے نہ ہوتا تھا۔ جیسے القاء شیطانی اور خود نبی کے "اندرون" سے نکلنے والی چیزیں۔ قرآن سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والوں سے یہ مخفی نہیں ہے کہ خود قرآن کا اس سلسلہ میں کیا موقف ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ○ (باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا

ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔ (حم السجدہ: ۴۲) اس مفہوم کی دیگر آیتیں بھی اس قسم کی "خارجی آمیزش" کے خیال کی قطعی طور پر تردید کرتی ہیں۔ مگر رشدی نے اپنے دعوے کی صحت کے ثبوت کے لیے 'غرانیق علا' کی روایت پیش کی ہے جو علماء اسلام اور محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار بلکہ موضوع روایت ہے۔

جب کسی کتاب کی فکری بنیاد ہی ایک ایسی ناقابل اعتبار بلکہ موضوع روایت ہو جس کی تردید ہر زمانے کے محققین اور مفسرین نے کی ہو، نیز جس کے بے حقیقت ہونے کا ثبوت قرآنی آیات سے فراہم ہوتا ہو اسے کوئی علمی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات ادبی حلقوں میں اب باضابطہ تسلیم کی جاچکی ہے کہ رشدی کی کتاب کو ادبی پہلو سے بھی کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ مشرق ومغرب میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ رشدی کو اچھالنے اور ایوارڈ سے نوازے جانے کا اصل سبب کتاب کا علمی یا ادبی لحاظ سے ممتاز مقام کا حامل ہونا نہیں بلکہ "اسلام دشمنی" کا جذبہ اور کوشش ہے جس کی نظیر سے کوئی بھی زمانہ خالی نہیں ہے۔ رشدی کی کتاب سے "الکفر ملة واحدة" کی زندہ تصویر ہمارے سامنے آگئی ہے۔

یہ سمجھنا بھی حقیقت سے دور ہوگا کہ سلمان رشدی کی کتاب سے ہی پہلی بار علماء اسلام کی توجہ اس روایت یا اس کی صحت وعدم صحت کی طرف ہوئی ہے۔ متقدمین میں سے ہمیں بہت سے حضرات کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اس روایت کے بے اصل اور موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔ زمانہ حال کے مشہور ومعروف محدث علامہ ناصر الدین البانی کا ایک تحقیقی رسالہ "نصب المجانیق لنسف قصة الغرانیق" اس موضوع پر ۱۹۵۲ء ہی میں شائع شدہ ملتا ہے جس میں علامہ موصوف نے قصہ کے پس منظر، متعلقہ آیات کی مستند تفسیر پھر سند کے لحاظ سے قصہ کے بے سروپا ہونے پر تحقیقی انداز سے کلام کیا ہے۔ قصہ کی تردید کے سلسلے میں اس طرح کی جامع تحریر کسی اور محدث اور مفسر کے ہاں نہیں ملتی۔ یہ مقالہ اسی رسالہ کی تلخیص ہے۔ البتہ تلخیص کے دوران میں بعض پہلوؤں کی وضاحت کے لیے محمد حسین ہیکل اور مولانا مودودیؒ کی تحریروں کے اقتباسات بھی دے دیے گئے ہیں۔ اسناد سے متعلق رسالہ کے تفصیلی مباحث کو اس مقالہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ ان تفصیلات کے لیے اصل رسالہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

متقدمین میں سے بہت سے حضرات نے اس روایت کے بے حقیقت اور

ناقابل اعتبار ہونے کی وضاحت کی ہے۔ جیسے ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی متوفی ۵۴۳ھ[۱] قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض متوفی ۵۴۴ھ[۲] فخر الدین محمد بن عمر الحسن الرازی متوفی ۶۰۶ھ[۳] محمد بن احمد الانصاری ابوعبداللہ القرطبی[۴] محمد بن یوسف بن علی الکرمانی شارح بخاری متوفی ۷۸۶ھ[۵] محمود بن احمد بدرالدین العینی متوفی ۸۵۵ھ[۶] محمد بن علی بن محمد الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ[۷] سید محمود ابوالفضل الآلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ[۸] وغیرہ۔ امام ابن خزیمہ سے جب اس روایت کے بارہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ زنادقہ کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔[۹] امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی فرماتے ہیں: "ھٰذہ القصۃ غیر ثابتۃ من جھۃ النقل" (یہ قصہ روایت کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے[۱۰]) پھر انھوں نے اس کے رواۃ پر کلام کیا ہے۔ ماضی قریب میں جن فضلا نے اس روایت کے بے اصل ہونے کی وضاحت کی ہے ان میں علامہ صدیق حسن خاں قنوجی متوفی ۱۳۰۷ھ[۱۱]، استاذ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ[۱۲] محمد حسین ہیکل سابق وزیر تعلیم مصر[۱۳] علامہ البانی[۱۴] اور مولانا مودودی شامل ہیں[۱۵]۔

غرانیق علا کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جب ۵ نبوی میں مسلمانوں کی ایک تعداد حبشہ ہجرت کر گئی، تو ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں نماز میں صحابہ کی امامت کر رہے تھے اور سورہ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ افرایتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ "تک پہونچے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دئے "فانھن الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ" اس پر سارے مشرکین خوش ہو گئے اور کہا کہ چلو آج ہمارا اور محمد کا اختلاف ختم ہو گیا۔ کیونکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہماری یہ دیویاں اللہ کے حضور ہماری شفاعت کریں گی۔ ہم انھیں یہی درجہ دیتے ہیں۔ اصل خدا کا درجہ نہیں دیتے، اب محمدؐ نے بھی اس کا اعتراف کر لیا۔ رسول اللہؐ نے جب آخر میں سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں کے ساتھ سارے مشرکین بھی سجدہ میں گر پڑے۔ پھر حضرت جبرئیل آئے اور آپ سے وہ سورت پڑھنے کو کہا۔ آپ نے اسی طرح تلاوت فرمائی۔ حضرت جبرئیل نے کہا کہ میں تو اس طرح وحی نہیں لایا تھا۔ (یعنی غرانیق علا کا حصہ اس میں شامل نہیں تھا) اس پر آپ بہت زیادہ مغموم ہوئے پھر آپ کی تسلی کے لیے سورہ حج کی یہ آیت "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الخ ....." اتری۔

مفسرین نے اس واقعہ کا تذکرہ عام طور پر اس آیت کی تفسیر کے ذیل ہی میں کیا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ أُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝

(ج: ۵۲، ۵۳)

ہم نے آپ سے پہلے جو بھی نبی اور رسول بھیجے، تو جب بھی اس نے تمنا کی تو شیطان نے اس کی تمنا میں القا کیا، پس اللہ شیطان کے القا کیے ہوئے کو منسوخ کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم اور پختہ کرتا ہے۔ تاکہ شیطان جس چیز کا القا کرتا ہے اس کو ان لوگوں کے لیے فتنہ کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں مرض ہو اور جو سنگ دل ہیں اور بیشک ظالم لوگ ہی پرلے درجہ کی بدبختی میں ہیں۔

مذکورہ آیات میں "تمنیٰ" اور "امنیتہ" کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ اس جگہ اس کے صحیح معنی تلاوت کرنے کے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ایک شاعر نے کہا تھا:

تمنی کتاب اللہ اول لیلۃ واخرھا لاقی حمام المقادر

(رات کے ابتدائی حصہ میں کتاب اللہ کی تلاوت کی اور آخری حصہ میں جام شہادت نوش فرمایا)

جمہور مفسرین اور محققین کے نزدیک یہی معنیٰ اس جگہ مراد ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اکثر مفسرین کی طرف اسے منسوب کیا ہے[۱۶]۔ علامہ ابن القیم کے نزدیک تو جمہور سلف نے یہی معنی مراد لیے ہیں[۱۷]۔ قرطبی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلیمان بن حرب کہتے ہیں کہ اس آیت میں "فی" "عند" کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوگا: ألقى الشيطان في قلوب الكفار عند تلاوة النبي (یعنی شیطان نے نبی کی تلاوت کے دوران میں کافروں کے دلوں میں ڈال دیا) اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لبثت فينا" (الشعراء ۱۸) میں فينا "عندنا" کے معنی میں مستعمل ہے۔ ابن عطیہ نے علماء مشرق سے اپنے والد کے حوالے سے یہی نقل کیا ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی بھی اسی کے قائل ہیں[۱۸]۔

ابن جریر طبری بھی اسی مفہوم کے قائل ہیں[۱۹] جس کی رو سے واقعہ صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے ہیں تو شیطان کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات ڈال دیتا ہے جن سے وہ فتنہ میں پڑ جاتے ہیں[۲۰] مگر

دشمنان اسلام جنھوں نے حق کو مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ہر ممکن طریقہ اپنایا یہی کرنا پسند کر سکتے تھے کہ رسول اللہؐ نے جو کچھ بیان نہ کیا ہو اس کو گھڑ کر عوام میں مشتہر کر دیتے اور اس کی تائید میں بے سروپا روایتیں پیش کر دیتے جن کی حیثیت پر ہم آگے گفتگو کریں گے۔[۲۱]

اس تفسیر کی رو سے (جس پر جمہور علماء و مفسرین کا اتفاق ہے) بات یہ قطعاً نہیں ہے کہ شیطان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو چاہتا تھا نکلوا دیتا تھا یعنی وحی الٰہی میں خارجی آمیزش ہو جاتی تھی۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جب آپؐ تلاوت فرماتے تھے تو شیطان لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات ڈال دیتا تھا۔

مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے جس کا تذکرہ علامہ البانی نے ابن جریر طبری، قرطبی، ابن کثیر اور ابن القیم کے واسطہ سے کیا ہے۔[۲۲] مولانا نے "تمنا" کے دونوں معنوں (تلاوت کرنا، آرزو کرنا) کے مطابق تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر اسے آرزو کے معنیٰ میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شیطان نے نبی کی آرزو کے پورا ہونے میں رخنے ڈالے اور رکاوٹیں پیدا کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ شیطان کی خلل اندازیوں کے باوجود نبی کی تمنا (اور آخر نبی کی تمنا اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی مساعی بار آور ہوں اور اس کا مشن فروغ پائے) پورا کرتا ہے۔ اور اپنی آیات یعنی نبی سے کیے جانے والے وعدوں کو پختہ کرتا ہے۔ البتہ اگر اسے تلاوت کرنے کے معنیٰ میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شیطان طرح طرح کے اعتراضات اور شبہات لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ ایک صحیح مطلب کے سوا ہر طرح کے الٹے سیدھے مطلب لوگوں کو سمجھاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے ان شبہات اور اعتراضات کو رفع کر دیتا ہے، اور کسی آیت کے بارہ میں جو الجھنیں لوگوں کے ذہنوں میں ہوں ان کو بعد کی کسی واضح تر آیت سے صاف کر دیتا ہے۔[۲۳]

آیت کا یہی سیدھا، صاف اور متفق علیہ مفہوم ہے۔ مگر ان بے سروپا روایتوں کی بنا پر عام لوگوں کے ذہنوں سے یہ مفہوم بالکل غائب ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہ روایتیں ایسی ہیں کہ سارے دین کی بنیاد ہی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اکثر کبار محدثین (جیسے بیہقی، قاضی عیاض، عینی، منذری، نووی وغیرہ) نے اس کو بے اصل اور موضوع کہا ہے۔[۲۴] علامہ نووی کے الفاظ میں

"لا یصح فیہا شیئ، لا من جہۃ العقل، ولا من جہۃ النقل"[۱۲۵] (یعنی عقلاً اور نقلاً کسی بھی لحاظ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے) جن محدثین نے اس روایت کو مختلف سندوں سے نقل کیا ہے ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبیٰ اور ابو معشر عام شہرت رکھتے ہیں[۱۲۶] مگر یہ روایت جتنے بھی طرق سے منقول ہے سب ضعیف، مرسل اور معضل ہیں۔ (جو حضرات تفصیل سے ایک ایک کرکے ان طرق کا جائزہ لینا چاہیں وہ رسالہ نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق[۱۲۷] کا مطالعہ فرمائیں) ان ائمہ حدیث نے جتنے طرق سے اس روایت کی تخریج کی ہے وہ سب کمزور ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ سعید بن جبیر کے واسطے سے روایت جس کو ابن جریر طبری[۱۲۸] نے نقل کیا ہے، سعید سے موصولاً اس کی روایت کی گئی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ بزار نے بھی اپنی مسند میں اس کی تخریج کی ہے لیکن وہ خود کہتے ہیں کہ صرف اسی سند سے متصلاً روایت کی گئی ہے، متصل نقل کرنے میں امیہ بن خالد منفرد ہے۔ اس کی روایت تو کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس نقل کی جاتی ہے خلاصہ یہ کہ حدیث مرسل ہے، اور کسی بھی صورت میں روایت موصولاً صحیح نہیں ہے۔

۲۔ طبری نے زہری سے بھی اس کو نقل کیا ہے[۱۲۹] لیکن اس کی علت یہ ہے کہ حدیث مرسل ہے۔ امام نحاس کہتے ہیں: ھٰذا حدیث منقطع، وفیہ ھٰذا الامر العظیم[۱۳۰] یہ حدیث منقطع ہے، جس میں اس قدر مہتم بالشان معاملہ کا ذکر ہے) ابن ابی حاتم نے محمد بن فلیح عن موسیٰ عن ابن شہاب نقل کیا ہے۔ لیکن یہ مرسل ہی نہیں، بلکہ معضل ہے۔

۳۔ ابو العالیہ نے اسے طبری سے دو طرق سے نقل کیا ہے[۱۳۱] لیکن اس کی علت بھی ارسال ہے۔

۴۔ طبری نے محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس کے واسطے سے نقل کیا ہے[۱۳۲]۔ اس کے راویوں میں ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی ہے جو ضعیف ہے۔ تقریب میں اس کے ضعف کی صراحت موجود ہے۔ ایک دوسرے طریق میں ابن اسحٰق مدلس کا عنعنہ ہے جو محدثین کے نزدیک محلِ نظر ہوتا ہے۔

۵۔ طبری نے قتادہ سے معمر کے واسطے سے نقل کیا ہے[۱۳۳] لیکن سند معضل ہے۔

۶۔ طبرانی نے حضرت عروہ بن زبیر سے اس کو مرسلاً نقل کیا ہے، لیکن یہ بھی کہدیا ہے "فیہ ابن لہیعۃ ولا یحتمل ھٰذا عن ابن لہیعۃ"

۷۔ عبد بن حمید نے ابو صالح سے سدی کے طریق سے نقل کیا ہے، ابن مردویہ

نے کلبی کے طریق سے عن ابی صالح عن ابن عباس نقل کیا ہے، یہ انتہائی ضعیف بلکہ موضوع روایت ہے۔ امام سفیان فرماتے ہیں: قال لی الکلبی کل ما حدثتک عن ابی صالح منہ وکذب (کلبی نے مجھے بتایا کہ ابو صالح سے میں جو بھی روایت کروں وہ سب جھوٹ ہے) محمد بن سائب کلبی کا معاملہ تو ظاہر ہے۔ اس کے متعلق مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ طبری نے ضحاک سے بھی اس کی تخریج کی ہے[۳۴] لیکن یہ سند ضعیف منقطع اور مرسل ہے۔ ضحاک سے مراد ابن مزاحم ہلالی خراسانی ہے جو کثیر الارسال ہے، بلکہ کہا گیا ہے کہ کسی بھی صحابی سے اس کا سماع ثابت نہیں ہے۔ اس کے مزید راوی سلیمان بن ارقم بصری اور ابن الخیاط ہیں، تقریب کی صراحت کے مطابق سلیمان بن ارقم ضعیف ہے۔ اسی طرح ابن الخیاط ضعیف اور متروک ہے۔ پھر طبری کے شیخ اس میں مجہول ہیں۔

۹۔ محمد بن فضالہ اور مطلب بن عبداللہ حنطب سے بھی روایت نقل کی گئی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کی تخریج کی ہے[۳۵] جس میں راوی واقدی ہے۔ یہ سند انتہائی ضعیف ہے کیونکہ واقدی تو واقدی ہے۔ مزید براں روایت مرسل ہے۔ مطلب بن عبداللہ حنطب کثیر الارسال والتدلیس ہے۔ قرطبی نے نحاس سے اس کی تضعیف نقل کی ہے، نحاس کے نزدیک یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے منکر ہے، وہ اسے منکر حدیث بتلاتے ہیں، خصوصاً جبکہ روایت کرنے والا شخص واقدی ہے۔ (قال النحاس: ھذا حدیث منکر منقطع، لاسیما من حدیث الواقدی)

۱۰۔ ابن مردویہ نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے بطریق کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس نقل کی ہے، بلکہ تین طرف سے نقل کی ہے۔ لیکن تینوں طرق ضعیف ہیں۔ طبری نے ایک چوتھے طریق سے بھی اس کی تخریج کی ہے جو انتہائی کمزور ہے۔ اسی میں ضعیف راویوں کا تسلسل ہے، جیسے محمد بن سعد[۳۶] اس کے والد سعد بن محمد[۳۷] اس کے عم الحسین بن الحسن[۳۸] اس کے والد الحسن بن عطیہ اور خود عطیہ، یہ سب ضعیف ہیں۔

سند کے لحاظ سے روایت کا ناقابل اعتبار ہونا واضح ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ یہ اپنے متن کے لحاظ سے بھی ناقابل اعتبار اور باہم متعارض ہے۔ علامہ البانی نے تفصیل سے اسے بیان کیا ہے[۳۹]۔ مولانا مودودی نے مختلف روایات میں وارد الفاظ کا استقصا کرنا چاہا تو الگ الگ پندرہ[۱۵] عبارتیں ہوگئیں[۴۰]۔ محمد حسین ہیکل نے اس کی بعض مثالیں بھی درج کی ہیں[۴۱]۔ عبارتوں کا یہ اختلاف واقعہ کے بے اصل ہونے کا ایک واضح قرینہ ہے[۴۲]۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی

روایت کی رو سے یہ الفاظ دوران وحی میں شیطان نے آپؐ پر القا کر دیے اور آپؐ نے سمجھا کہ یہ بھی جبرئیل لائے ہیں، کسی روایت میں یہ ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپؐ کی زبان سے نکل گئے، کسی میں ہے کہ اس وقت آپؐ پر اونگھ آگئی تھی اور اسی حالت میں یہ الفاظ نکلے، کسی کا بیان ہے کہ آپؐ نے یہ قصداً کہے، مگر استفہام انکاری کے طور پر۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپؐ کی آواز میں آواز ملا کر یہ الفاظ کہہ دیے اور سمجھا گیا کہ آپؐ نے کہے ہیں۔ کسی کے نزدیک کہنے والا مشرکین میں سے کوئی شخص تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ صحابہ نے یہ الفاظ سنے ہی نہیں۔[۴۳]

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ قصہ کی اندرونی شہادت ہی اسے غلط ثابت کرتی ہے۔ قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہجرت حبشہ واقع ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کی خبر پا کر مہاجرین حبشہ میں سے ایک گروہ مکہ واپس آگیا، مگر تاریخوں کا فرق ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ہجرت حبشہ معتبر ترین روایت کی رو سے رجب ۵ نبوی میں واقع ہوئی۔ مہاجرین حبشہ کا ایک گروہ مصالحت کی غلط خبر سن کر تین مہینہ بعد یعنی اسی سال تقریباً شوال کے مہینہ میں مکہ واپس آگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لامحالہ یہ واقعہ ۵ نبوی کا ہے۔

۲۔ سورہ بنی اسرائیل جس کی ایک روایت کے بارہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر بطور عتاب نازل ہوئی تھی۔[۴۴] معراج کے بعد اتری اور معراج کا زمانہ معتبر ترین روایات کے مطابق ۱۰ یا ۱۲ نبوی کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس فعل پر جب پانچ چھ سال گزر گئے تب اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

۳۔ زیر بحث آیت، جیسا کہ اس کا سیاق و سباق بتا رہا ہے ۷ھ میں نازل ہوئی۔ یعنی عتاب پر بھی جب دو ڈھائی سال گزر گئے تب اعلان کیا گیا کہ یہ آمیزش تو القائے شیطانی سے ہو گئی تھی، اللہ نے اب اسے منسوخ کر دیا ہے۔

کیا کوئی صاحب عقل آدمی باور کر سکتا ہے کہ آمیزش کا فعل آج ہو، عتاب چھ سال بعد اور آمیزش کی تنسیخ کا اعلان ۹ سال بعد؟[۴۵]

پھر جب آپ سورہ نجم کی اس آیت کو ان فقروں کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو آپ کو ایک اور بات محسوس ہوگی۔

"پھر تم نے غور کیا ان لات و عزیٰ پر اور ایک تیسری (دیوی) منات پر؟ یہ بلند پایہ

دیویاں ہیں۔ ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ کیا تمہارے لیے تو ہوں بیٹے اور اس کے لیے (اللہ کے لیے) ہوں بیٹیاں؟ یہ تو بڑی ناانصافی کی تقسیم ہے۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں، مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ لوگ محض گمان اور من مانے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی آگئی ہے۔"

عبارت میں خط کشیدہ فقرہ نے کیسا صریح تضاد پیدا کر دیا ہے، ایک ہی سانس میں کہا جا رہا ہے کہ واقعی تمہاری دیویاں بلند رتبہ رکھتی ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے، دوسرے ہی سانس میں پلٹ کر ان پر چوٹ کی جاتی ہے کہ بے وقوفو! یہ تم نے خدا کے لیے کیا چیزیں تجویز کر رکھی ہیں، یہ سب تمہاری من گھڑت ہے جسے خدا کی طرف سے کوئی سند اعتبار حاصل نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے اس سوال کو جانے دیں کہ یہ صریح بے تکی باتیں کسی مرد عاقل کی زبان سے نکل بھی سکتی ہیں یا نہیں۔ مان لیجئے، شیطان نے اگر غلبہ پاکر یہ الفاظ نبی کی زبان سے نکلوا دئے، تو کیا قریش کا وہ سارا مجمع جو سن رہا تھا بالکل پاگل ہو گیا تھا کہ بعد کے فقروں میں ان تعریفی کلمات کی کھلی کھلی تردید سن کر بھی یہی سمجھتا رہا کہ ہماری دیویوں کی واقعی تعریف کی گئی ہے، سورہ نجم کے آخر تک کا پورا مضمون اس ایک تعریفی فقرے کے بالکل برخلاف ہے۔ پھر یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ قریش کے لوگ آخر تک سننے کے بعد پکار اٹھے کہ چلو آج ہمارا اور محمد کا اختلاف ختم ہو گیا؟

مولانا کے نزدیک ایک دوسری بات بھی غور طلب ہے۔ ۵ نبوی میں نازل ہونے والی سورت میں اس قصہ کا بیان ہوا ہے۔ آمیزش پر سورہ بنی اسرائیل میں عتاب کیا گیا، اور اس کی تنسیخ سورہ حج میں کی گئی۔ اب لامحالہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو عتاب اور تنسیخ کی آیتیں بھی اسی زمانہ میں نازل ہوئیں جب آمیزش کا واقعہ پیش آیا۔ یا پھر عتاب والی آیت سورہ بنی اسرائیل کے ساتھ تنسیخ والی آیت سورہ حج کے ساتھ نازل ہوئی۔ اگر پہلی صورت ہے تو کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ دونوں آیتیں سورہ نجم میں شامل نہیں کی گئیں، بلکہ عتاب والی آیت کو چھ سال تک یوں ہی ڈالے رکھا گیا اور سورہ بنی اسرائیل جب نازل ہوئی تب کہیں اس میں لاکر چپکا دیا گیا۔ پھر تنسیخ والی آیت مزید دو ڈھائی برس تک پڑی رہی اور سورۂ حج کے نزول تک اسے کہیں چسپاں نہیں کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی ترتیب اس طرح نہیں ہوئی کہ ایک موقع کی نازل شدہ آیتیں الگ الگ بکھری پڑی رہتی تھیں اور برسوں بعد کسی سورت میں کسی کو اور دوسری سورت میں کسی

کو ٹانک دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر دوسری صورت ہو کہ عتاب والی آیت واقعہ کے چھ سال بعد اور تسبیح والی آیت نو سال بعد نازل ہوئی تو اس بے تکے پن کے علاوہ جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حج میں ان کے نزول کا کیا موقع تھا؟[۴۸]

استاذ محمد عبدہ نے لفظ "غرانیق" پر یہ گرفت کی ہے کہ عربوں کے اشعار اور خطبوں میں اپنے معبودوں کے لیے اس کا استعمال نہیں ملتا۔ کیونکہ غرنوق اور غرانیق سیاہ و سفید رنگت کے آبی پرندہ اور خوبصورت نوجوان کے لیے آتا ہے۔ بتوں کے ساتھ اس کی مطابقت غیر متعلق ہے۔[۴۹]

حافظ ابن حجر کا موقف اس روایت کے سلسلے میں دیگر محدثین اور مفسرین کے مقابلہ میں مختلف نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس روایت کی تخریج کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ یہ ساری سندیں سعید بن جبیر کی سند کو چھوڑ کر یا تو ضعیف ہیں یا منقطع، لیکن کثرت طرق اس بات پر دال ہے کہ روایت کی کوئی اصل ضرور ہے جبکہ اس کے دو مرسل طرق ایسے ہیں جن کے رجال صحیحین کی شرط پر پورے اترتے ہیں پھر انھوں نے ابوبکر ابن العربی پر تنقید کی ہے جنھوں نے طبری کی طرح اس سلسلہ کی ساری روایات کو باطل اور بے اصل قرار دیا ہے۔ مگر جہاں تک کثرت طرق سے حدیث کے قوی ہونے کا تعلق ہے تو یہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ اس کی صراحت بہت سے محققین علماء حدیث نے کی ہے، خود حافظ ابن الصلاح کی اس سلسلے میں صراحت مقدمہ فی علوم الحدیث میں موجود ہے۔[۵۰]

حافظ ابن الصلاح کا موقف بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ مرسل روایت میں جن کمزوریوں کا احتمال ہوتا ہے (جیسے غیر مذکور راوی کا ضعف، اور بالفرض اگر کسی محدث کے نزدیک وہ ثقہ ہو تو دیگر محدثین کے نزدیک اس کا غیر ثقہ قرار پانا، بیچ میں سے کئی واسطوں کا نہ ہونا وغیرہ) ان سے صرف نظر کرنے ہی کی بنا پر بہت سے فقہاء غلطیوں کے شکار ہوئے۔ کیونکہ انھوں نے کثرت طرق سے دھوکہ کھا کر بہت سی ضعیف حدیثوں کو صحیح سمجھ لیا جبکہ ان میں ایسا ضعف موجود ہے جس کی تلافی کثرت طرق سے نہیں ہوتی، بلکہ ضعف میں مزید اضافہ ہوتا ہے حضرت ابن عباس سے منقول یہ قصہ بھی اسی حیثیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس کے تمام طرق کمزور ہیں، لہٰذا کسی بھی لحاظ سے حدیث قوی نہیں ہو سکتی۔

مرسل حدیث میں جو راوی ارسال کر رہا ہو وہ اگرچہ ثقہ ہو، پھر بھی معروف ائمہ حدیث کے نزدیک قابل حجت نہیں ہے۔ ابن الصلاح نے اس کی صراحت کی ہے[۵۱] ہاں اگر کسی

دوسرے طریق سے بھی روایت وارد ہو جو صحیح ہو، مرسل نہ ہو، تو پھر اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ مرسل حدیث کے ناقابل حجت ہونے کی وجہ اہل علم کے نزدیک مخفی نہیں ہے خطیب بغدادی، حافظ ابن حجرؒ اور ابن تیمیہؒ نے اس پر بحث کی ہے[۵۳]۔

بہرکیف یہ روایت ہر طرح سے کمزور ہے۔ امام ابن خزیمہ کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ روایت زنادقہ کی وضع کردہ ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ روایت کے لحاظ سے غیر ثابت شدہ ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں جو حصہ نقل کیا ہے اس میں "غرانیق علا" شامل نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جن ائمہ سے روایت کے غیر ثابت شدہ ہونے کی صراحت منقول ہے ان کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ بات اگر بالکل غلط ہے کہ شیطان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تلک الغرانیق العلا، وان شفاعتھن لترتجی" کے الفاظ جاری کرا دئے، پھر مشرکوں نے آپؐ کے ساتھ سجدہ کیوں کیا؟ جبکہ یہ ان کی عادت نہیں تھی۔

علامہ آلوسی بغدادی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کا عین امکان ہے کہ انھوں نے خوف اور دہشت کے مارے سجدہ کیا ہو، کیوں کہ اس سورہ میں ایسی آیتیں ہیں کہ انسان سن کر لرز جائے۔ جیسے یہ آیت

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ۝ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝

انھیں خوف ہوا کہ کہیں ان کے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہ ہو جائے، شاید انھوں نے اس سے قبل ایسی سخت وعید پر مشتمل آیتیں نہیں سنی تھیں[۵۴]۔

سیوطی نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ اس کے بعد جب سورہ حم السجدہ نازل ہوئی تو عقبہ بن ربیعہ نے جب آپؐ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تو آپؐ کے دہن مبارک پر ہتھیلی رکھ کر قرابت اور رحم کا واسطہ دیتے ہوئے تلاوت نہ کرنے کی درخواست کی اور اپنی قوم کے لیے معذرت چاہی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیف وقد علمتم أن محمدًا إذا قال شیئًا لم یکذب فخفت أن ینزل بکم العذاب" بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک ایک طویل روایت میں اس کو بیان کیا ہے[۵۵]۔

اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایسی خوبصورت سورت کی سحر انگیز تلاوت سن کر ان پر

وجد کی کیفیت طاری ہو گئی ہو، اور بے قابو ہو کر سجدے میں گر گئے ہوں۔ بعد میں جب انھیں ہوش آیا ہو تو سخت پشیمانی ہوئی ہو۔ پھر کسی نے اس فعل کی توجیہ کے لیے یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے اسی قسم کے فقرے اپنے کانوں سے سنے تھے، ظاہر ہے کہ اس سے ان کے اس فعل کی معقول توجیہ ہو جاتی تھی۔ پھر یہ واقعہ گھڑ کر سامنے آگیا ہو اور بعد میں رواۃ حدیث نے اسے نقل کر دیا ہو۔[۵۵]

بہر کیف جن آیات کے حوالہ سے اس واقعہ کی تائید کی کوشش کی جاتی ہے ان کا مفہوم صاف سیدھا اور واضح ہے بلکہ ان روایتوں کو سامنے رکھ کر اگر مفہوم لینے کی کوشش کریں تو مذکورہ بے تکے پن کے علاوہ بہت سے بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ روایت کا بے اصل اور نا قابل اعتبار ہونا محدثین اور مفسرین کے نزدیک مسلّمہ ہے۔ ایسی بے اصل اور نا قابل اعتبار روایت پر مزعومات کی ایسی عمارت کھڑی کرنے کو علم، تحقیق اور دانشوری کا نام کسی بھی حال میں نہیں دیا جا سکتا۔

حواشی وحوالہ جات

۱؎ ملاحظہ ہو: احکام القرآن ۱۲/۸۳ ۲؎ ملاحظہ ہو۔ الشفا فی حقوق المصطفیٰ

۳؎ مفاتیح الغیب ۶/۱۹۳-۱۹۷ ۴؎ احکام القرآن ۱۲/۸۰-۸۴،

۵؎ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ان کا قول نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ۸/۴۹۸

۶؎ عمدۃ القاری، ۹/۴۷ ۷؎ فتح القدیر ۳/۴۴۷-۴۴۸ ۸؎ روح المعانی ۱۷/۱۶۰-۱۶۱

۹؎ علامہ شوکانی نے اس قول کو امام رازی کی طرح امام ابن خزیمہ صاحب "الصحیح" کی طرف منسوب کیا ہے۔ (فتح القدیر ۳/۴۴۷ نیز مفاتیح الغیب ۶/۱۹۳) البتہ ابن حیان نے اپنی تفسیر "البحر" میں اسے محمد بن اسحٰق صاحب "السیرۃ النبویہ" کی طرف منسوب کیا ہے جس کی متابعت کرنے والے علامہ آلوسی بغدادی ہیں (ملاحظہ ہو روح المعانی ۱۷/۱۶۱) علامہ ناصر الدین البانی کے نزدیک امام ابن خزیمہ کی طرف منسوب کرنا زیادہ صحیح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۸/۲۵۴) میں ابن کثیر کی متابعت میں یہ بیان کیا ہے کہ ابن اسحٰق نے بھی تفصیل کے ساتھ اس قصہ کو "سیرت" میں درج کیا ہے۔ اس طرح اس قول کا ان کی طرف منسوب ہونا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ قول ان ہی کا ہوتا تو حافظ ابن حجر ضرور اشارہ کر دیتے۔ ۱۰؎ مفاتیح الغیب ۶/۱۹۳ ۱۱؎ ملاحظہ ہو فتح البیان

۱۲؎ محمد عبدہ کا ایک کتابچہ اس موضوع پر موجود ہے جس میں انھوں نے غرانیق علیہ پر خصوصی بحث کی ہے۔
۱۳؎ حسنین ہیکل نے "حیاۃ محمد" کے چھٹے باب میں اس پر بحث کی ہے۔
۱۴؎ علامہ البانی کا یہ رسالہ "نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے جس کی تبییض ۱۳۸۲ھ میں مکمل ہوئی۔
۱۵؎ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۶۲ء ۳/ ۲۳۷ - ۲۴۵
۱۶؎ البانی۔ نصب المجانیق۔ ص ۳ ۱۷؎ اغاثۃ اللہفان ۱/ ۹۳ ۱۸؎ احکام القرآن للقرطبی ۱۲/ ۸۳
۱۹؎ تفسیر ابن جریر طبری۔ ۱۷/ ۱۲۱ ۲۰؎ البانی۔ نصب المجانیق۔ ص ۴ ۲۱؎ البانی ایضاً ص ۳ ۲۲؎ ایضاً ص ۳-۴
۲۳؎ تفہیم القرآن ۳/ ۲۳۷ ۲۴؎ ملاحظہ ہو زرقانی، مواہب لدنیہ، شفائے قاضی عیاض، عینی شرح بخاری، نور التبراس وغیرہ ۲۵؎ دیکھئے شبلی نعمانی۔ سیرت النبی۔ ۱/ ۱۹ ۲۶؎ ملاحظہ ہو: طبری ۱۷/ ۱۲۰، الدر المنثور ۴/ ۳۶۶، المعجم الکبیر ورق ۱۶۲، مخطوطہ مکتبہ ظاہریہ ۲۸۳ حدیث، ضیاء مقدسی، المختار (ص ۱/ ۱۲۰، ابن کثیر ۳/ ۱۲۹، تخریج الکشاف ۴/ ۱۴۴، الشفاء فی حقوق المصطفیٰ ۲/ ۱۱۸، نیز مواہب لدنیہ، واقدی ہجرت وغیرہ
۲۷؎ مطبوعہ المکتب الاسلامی، دمشق ۱۹۵۲ء (صفحات ۳۹) ۲۸؎ طبری، ۱۷/ ۱۲۰
۲۹؎ ایضاً ۱۷/ ۱۲۱ ۳۰؎ دیکھئے قرطبی، احکام القرآن ۱۲/ ۸۱
۳۱؎ طبری ۱۷/ ۱۲۰ ۳۲؎ طبری، ۱۷/ ۱۱۹ ۳۳؎ طبری ۱۷/ ۱۲۲
۳۴؎ طبری ۱۷/ ۱۲۱ ۳۵؎ طبقات ابن سعد ۱/ ۱۳۷ ۳۶؎ تاریخ بغداد ۵/ ۳۲۲-۳۲۳
۳۷؎ تاریخ بغداد ۹/ ۱۲۶ - ۱۲۷ ۳۸؎ تاریخ بغداد ۸/ ۲۹ - ۳۲
۳۹؎ دیکھئے نصب المجانیق۔ ص ۱۸-۱۹ ۴۰؎ تفہیم القرآن ۳/ ۲۴۰
۴۱؎ ملاحظہ ہو، حیاۃ محمد، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۵ء۔ ترجمہ البوحیٰ امام خاں نوشہری۔ ص ۳۶۷ ۴۲؎ حسنین ہیکل، حیاۃ محمد۔ ص ۳۶۷
۴۳؎ دیکھئے۔ تفہیم القرآن ۳/ ۲۴۰، نصب المجانیق۔ ص ۱۸-۱۹
۴۴؎ یہ آیت: وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل ۷۵)
۴۵؎ تفہیم القرآن ۳/ ۲۴۲ ۴۶؎ تفہیم القرآن ۳/ ۲۴۲ - ۲۴۳
۴۷؎ تفہیم القرآن ۳/ ۲۴۲ - ۲۴۳ ۴۸؎ ملاحظہ ہو حسنین ہیکل۔ حیاۃ محمد ص ۳۶۹
۴۹؎ فتح الباری ۸/ ۳۵۴ - ۳۵۵ ۵۰؎ مقدمہ فی علوم الحدیث ص ۳۶-۳۷ ۵۱؎ نصب المجانیق ص ۲
۵۲؎ مقدمہ فی اصول الحدیث ص ۵۲ ۵۳؎ الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۲۸۷، شرح نخبۃ الفکر ص ۱۷
۵۴؎ نصب المجانیق، ص ۳۸ ۵۵؎ ایضاً ص ۳۸ ۵۶؎ تفہیم القرآن ۳/ ۲۴۴ - ۲۴۵